پاکستان میں معاصر مسلم مسیحی مکالمہ: اسلامی اور مسیحی تعلیمات کے تناظر میں

روشن غنی*

صاحب اسلام**

Abstract

The interfaith dialogue and particularly the contemporary Muslim Christian dialogue in Pakistan is the need of the day, but it can be possible and successful only by applying the principles of dialogue. There are some important principles and methods which can be taken to make the dialogue successful and end it with cheerfulness. The first and foremost thing is the equality of the participants in the process of dialogue. The both sides should participate in dialogue with knowledge, logic and valid references. The selection of words must be careful. The dialogue should be loud and clear. Mutual respect for each other is very necessary. Apart from being good speakers, they should be good listeners as well. It must be kept in mind that the other side can be correct. Forbearance, tolerance and politeness are also important for the both sides engaged in dialogue. The final and most important thing is that whether they are agreed on a point or not, the end of dialogue must be with cheerfulness.

Keywords: Pakistan**,** Muslim Christian dialogue, Interfaith Harmony, Methodology of Dialogue, Mutual Respect

موضوع کا تعارف اور اہمیت:

مکالمہ بین المذاہب اور خاص طور پر مسلم مسیحی مکالمہ وقت کی ضرورت ہے اور یہ مکالمہ جب اپنے ملک کے مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان ہو تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مسیحی پاکستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ ان کی آبادی تیس لاکھ سے متجاوز ہے۔ مسلمانوں کی طرح مسیحی بھی پاکستان کے شہری ہیں۔ جس طرح ڈاکٹر جیمز چنن لکھتے ہیں:

"ہم پاکستان کے شہری ہیں۔ ہمارے آباء واجداد صدیوں اس سرزمین، جسے پاکستان سے موسوم کیا گیا ، پر آباد ہیں ہماری مٹی یہیں سے اٹھی ہے۔ ہم اس مٹی اور سرزمین کے وارث اور امین ہیں۔"[1]

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

** پروفیسر (ر)، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

[1] چنن، ڈاکٹر جیمز، **پاکستان میں مسیحی مسلم مکالمہ**، (لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۱۲ء)، ۱۵۶۔۱۵۷

ہم وطن ہونے کی وجہ سے نہ صرف ہماری زبان ایک ہے بلکہ ہمارے معاشرتی اور معاشی مسائل بھی ایک جیسے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتے ہیں، ایک دوسرے کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنے گوناگوں مسائل زیر بحث لا سکتے ہیں، یہی مکالمہ ہے۔ یہ مکالمہ مسلم اور مسیحی سکالرز کی سطح پر لیکچرز کی صورت میں تو جاری ہے لیکن اسے عوام کی سطح پر روزمرہ کا مکالمہ بھی بننا چاہیے جس کی طرف ایک مسیحی سکالر حمید ہنری نے اس طرح اشارہ کیا ہے کہ لفظوں کو ان کے اصل معنی پہنانے کے لیے ایک ساتھ رہنا، کام کرنا اور اپنے تجربات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرنا روزمرہ زندگی کے مکالمے کا ہی خاصہ ہے۔[2]

لیکن اس مکالمے کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان اصول و آداب کا التزام کیا جائے جو دونوں مذاہب کی تعلیمات میں اس کے لیے ضروری ہیں۔ ان اصول و آداب کی اسی اہمیت کے پیش نظر انہیں اس مقالے میں زیر بحث لایا گیا ہے اور اس کے لیے بیانیہ اسلوب تحقیق کو اختیار کیا گیا ہے۔

موضوع سے متعلق مواد کا مطالعہ: (Literature Review)

مکالمے کے اصول و آداب کے حوالے سے متعدد کتب موجود ہیں جن میں سعد بن ناصر الشثری کی کتاب "ادب الحوار" اور محمد سید طنطاوی کی کتاب "آداب الحوار فی الاسلام" قابل ذکر ہیں۔ اردو میں ڈاکٹر جیمز چنن کی کتاب "پاکستان میں مسیحی مسلم مکالمہ" بھی کسی حد تک مسلم مسیحی مکالمے کے آداب سے بحث کرتی ہے۔ اس کے علاوہ کرسچن اسٹڈی سینٹر راولپنڈی سے نکلنے والے رسالے "المشیر" کے متعدد مضامین بھی اس سلسلے میں رہنمائی کرتے ہیں۔ لیکن اس مقالے میں دونوں مذاہب کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم مسیحی مکالمے کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور عمومی عالمی تناظر کے بجائے پاکستان کے خصوصی تناظر کو سامنے رکھ کر بات کی گئی ہے۔

معاصر مسلم مسیحی مکالمہ اور اس کے اصول و آداب

1۔ مکالمہ برابری کی بنیاد پر ہونا چاہیے:

ڈاکٹر صلاح الدین ثانی مکالمہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مکالمہ بات چیت کی وہ قسم ہے جو دو اشخاص یا دو ٹیموں کے درمیان ہوتی ہے۔ اس میں باتوں کا تبادلہ فریقین میں برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے چنانچہ ان میں

---

[2] مزید تفصیل کے لیے دیکھیں/ Hamid Henry, The Dialouge of Civilizations (A Christian Perspective), Al Mushir, V:45, No.3, (Rawalpindi: Christian Study Centre, 2003), 82.

سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہوتی۔" برابری کے اس احساس سے انسان سمجھتا ہے کہ اسے اپنے ضمیر کے مطابق بات کہنے کی آزادی ہے اور کسی دباؤ میں اس سے صرف اپنی بات منوانے کی کوشش نہیں کی جارہی ہے۔ یہی بات ایک مسیحی سکالر ڈاکٹر پریچارٹ سونبوبھل اس طرح لکھتے ہیں:

It is very important to encourage 'equality' in the process of dialogue.[3]

"یہ بہت اہم ہے کہ مکالمے کے دوران برابری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔"

اسی بات کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ دونوں کو بات کرنے کا یکساں موقع حاصل رہے اور ہر فرد یہ سمجھے کہ اسے اپنی رائے اور فکر کی مکمل آزادی حاصل ہے۔

رسول کریم ﷺ تو سید الاولین والآخرین ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ''[4]

"کہہ دو کہ میں تمہاری طرح ہی کا ایک انسان ہوں بس مجھ پر وحی آتی ہے"۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کہلوایا جارہا ہے کہ:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ[5]

"کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کرلیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو مومنوں کو ڈرانے اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔"

انبیاءؑ کی تو اپنی ایک الگ حیثیت اور الگ مقام ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے بھی لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ نہ میرے پاس علم غیب ہے اور نہ مجھے کسی فائدے یا نقصان کا کوئی اختیار ہے اور میں بشر ہونے کے لحاظ سے تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔ اب جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے تو ان میں سے تو کسی کو

---

[3] Dr. Parichart Suwanbubbhal, Interfaith Dialogue at gross roots level, Al Mushir, V:52, No.1, (Rawalpindi: Christian Study Centre, 2010), 7.

[4] الکھف: ۱۱۰

[5] الاعراف: ۱۸۸

کسی پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔ اس لئے مکالمے کے لیے ایسی فضا کا پیدا کرنا ضروری ہے کہ طرفین میں سے کوئی کسی کے دباؤ کا شکار نہ ہو اور آزادانہ ماحول میں وہ اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔

2۔ حسن سماعت:

مکالمہ دراصل دوطرفہ رابطے کا نام ہے نتائج تک پہنچنے کے لیے ایک دوسرے کی بات بغور سننا ضروری ہے۔ رسول کریم ﷺ کی سیرت سے ہمیں یہی پتہ چلتا ہے کہ دوسرے کی بات غور سے سننی چاہیے چاہے وہ مخالف ہی کیوں نہ ہو اور اس کی بات غلط ہی کیوں نہ ہو۔

مکالمہ چونکہ طرفین کے درمیان گفتگو کا نام ہے اور طرفین کے درمیان یہ گفتگو اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ آپس میں ایک دوسرے کو سننے کے لئے تیار نہ ہوں ظاہر ہے کہ ایک بولے گا تو دوسرا سنے گا اور دوسرا بولے گا تو پہلا سنے گا تب ہی مکالمے کا عمل آگے بڑھے گا۔ اس لیے مکالمے میں سننا بہت ضروری ہے[6] اور جتنی غور سے کوئی بات سنے گا اسی قدر وہ اسے سمجھ بھی پائے گا اور اس کا بہترین جواب بھی دے پائے گا۔ یہاں بھی عتبہ بن ربیعہ سے رسول کریم ﷺ کا مکالمہ ہمارے لیے بہترین مثال ہے کہ جب عتبہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے محمد آپ بہتر ہیں یا عبداللہ ؟ رسول ﷺ خاموش رہے پھر اس نے کہا آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ آپ ﷺ پھر بھی خاموش رہے۔ پھر اس نے کہا کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ آپ سے بہتر تھے تو انہوں نے ان خداؤں کی عبادت کی ہے جن کو آپ معیوب کہتے ہیں۔ اور اگر آپ کا خیال ہے کہ آپ ان سے بہتر ہیں تو بات کریں تاکہ ہم آپ کی بات سنیں، اللہ کی قسم ہم نے کبھی کسی میمنے کو اپنی قوم کے لیے اتنا منحوس نہیں پایا جتنا کہ آپ اپنی قوم کے لئے ہیں۔ آپ نے ہماری جماعت کو متفرق کر دیا ہے۔ ہمارے معاملے کو تتر بتر کر دیا ہے۔ ہمارے دین کو معیوب کر دیا ہے اور عرب میں ہمیں رسوا کر دیا ہے حتی کہ ان میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ قریش میں ایک جادوگر ہے اور قریش میں ایک کاہن ہے، اللہ کی قسم، ہم ایک چلانے والے کی چیخ جیسی پکار کا انتظار کر رہے ہیں کہ ہم میں سے کچھ اپنے دوسروں کو کہیں کہ تلواریں اٹھاؤ حتی کہ ہم فنا ہو جائیں، اے آدمی! اگر آپ کو کسی عورت کی حاجت ہے تو قریش کی عورتوں میں سے کسی کو بھی چن لو، ہم دس عورتوں سے تمہاری شادی کرادیں گے اور اگر آپ کو کوئی ضرورت ہو تو ہم آپ کے لیے مال جمع کرتے ہیں حتی

[6] الشثری، سعد بن ناصر، **ادب الحوار**، (ریاض: دار کنوز اشبیلیا للنشر والتوزیع، ٢٠٠٦ء)، ٣٥

کہ آپ قریش کے سب سے زیادہ مالدار آدمی بن جائیں گے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ نے بات پوری کرلی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے سورۃ حم السجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں اور جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ[7]

تو عتبہ نے کہا: بس، بس، آپ کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔[8]

اس مکالمے میں ہم دیکھتے ہیں کہ عتبہ نے وہ باتیں کیں جن میں سے ہر ایک بات غصہ دلانے والی اور مذاق اڑانے والی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے نہ غصہ کیا، نہ اسے بات کرنے سے منع کیا اور نہ اس کی باتوں کے دوران میں کوئی بات کی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاموشی سے اس کی تمام باتیں سنتے رہے اور جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اوقضيت يا ابا الوليد'' کہ اے ابو الولید! کیا تم اپنی بات پوری کر چکے اور جب اس نے کہا ہاں تو آپ ﷺ نے سورہ حم السجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ اسے کہتے ہیں حسن استماع اور اسے کہتے ہیں۔ صبر و تحمل، عتبہ کی تمام باتیں غور سے سنیں لیکن اس کی ان تمسخر آمیز باتوں کا کوئی جواب دینے کے بجائے سورہ حم السجدہ کی ابتدائی آیات کی صورت میں اپنی دعوت توحید اس کے سامنے رکھ دی اور وہ بھی تب جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا اور آپ نے اس سے کہا کہ اے ابو الولید کیا تم نے بات مکمل کرلی ہے؟

اس بہترین مثال کو سامنے رکھتے ہوئے مکالمہ کرنے والے کو بولنے کے ساتھ ساتھ سننے کی عادت بھی ڈالنی چاہیئے جس طرح آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بات اچھی طرح سنی جائے اسی طرح دوسرا بھی چاہتا ہے کہ آپ اس کی بات غور سے سنیں۔

ڈاکٹر پریچارٹ سونبوبھل حسن سماعت کی اس اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں کے اختلافات کو قبول کرنے کے قابل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ گہری سماعت یعنی غور سے سننے کا مظاہرہ کیا جائے۔[9]

---

[7] حم سجدہ: ۱۳

[8] ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۶ء)، ۴: ۱۳۷

مشہور پاکستانی مسیحی رہنماڈاکٹر جیمز چنن لکھتے ہیں:

"اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ خود ہمارا اپنارویہ سنانے کے بجائے زیادہ سے زیادہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے سننے اور سن کر سمجھنے کا ہوناچاہیے۔"[10]

3۔باہمی احترام:

مکالمے کے لئے طرفین کا باہمی احترام بڑااہم ہے۔ جب تک مجھے یہ یقین نہیں ہو گا کہ آپ میرا احترام کرتے ہیں اور آپ کو یہ یقین نہ ہو گا کہ میں آپ کا احترام کرتا ہوں، مکالمے کی کامیابی مشکل ہے۔ ہر انسان کی اپنی عزت نفس ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کا احترام کریں۔ اور جب اس کا احترام کیاجاتاہے تو وہ بھی دوسروں کا احترام کرتا ہے۔ اس لئے جس سے بھی مکالمہ کیاجائے اس کے مقام ومرتبے کا خیال رکھاجائے۔

ڈاکٹر صلاح الدین ثانی لکھتے ہیں:

"یہ لوگ چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، بہر حال ان کی تعظیم وتوقیر ان کا حق ہے جو ادا کرنا چاہیئے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس کے مرتبے کالحاظ کریں حتی کہ وہ مسیحی یایہودی یابت پرست ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی حیثیت کے مطابق الفاظ سے بات کریں۔ اس کے ساتھ انصاف سے برتاؤ کریں، اس میں جو مثبت خوبیاں پائی جاتی ہیں ان پر اس کی تعریف کریں۔"[11]

آپ ﷺ کا عتبہ بن ربیعہ سے مکالمہ ہمارے لیے ایک بہترین مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں ہم اس مکالمے کی صرف یہ بات نقل کریں گے کہ آپ ﷺ نے اسے نام سے نہیں بلکہ کنیت سے مخاطب کیا۔ عرب کنیت کو پسند کرتے ہیں، کسی کو عزت دینے اوراس کا احترام کرنے کے لیے کنیت سے مخاطب کیاجاتا ہے۔

---

[9] Dr. Parichart Suwanbubbhal, Interfaith Dialogue at gross roots level, Al Mushir, V:52, No.1, (Rawalpindi, Christian Study Centre, 2010), 3.

[10] چنن،ڈاکٹر جیمز، **پاکستان میں مسیحی مسلم مکالمہ**،(لاہور: ملٹی میڈیاافیئرز، ۲۰۱۲ء)، ۹۲

[11] ثانی،ڈاکٹر، پروفیسر صلاح الدین، **مکالمہ واتحاد بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں**،(کراچی: مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی،۲۰۰۵ء)،۱۰۵

رسول پاک ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کو کافر ہونے کے باوجود کنیت سے پکارا اور کہا: ابوالولید آپ کہیں تاکہ میں سنوں۔[12]

باہمی احترام ہی دراصل وہ بنیاد ہے جس پر مکالمے کا عمل تشکیل پذیر ہوتا ہے اگر یہ بنیاد ہی ڈھادی جائے تو کیوں دو مختلف الخیال، مختلف العقیدہ اشخاص ایک دوسرے سے ملیں گے اور کن توقعات پر ملیں گے۔

کرسچن سٹڈی سنٹر کے رسالے "المشیر" میں یونس شہزاد لکھتے ہیں صحت بخش اور پھل دار مکالمہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دونوں اشخاص ایک دوسرے کی مناسب عزت واحترام کریں۔[13]

ڈاکٹر جیمز چنن مکالمے کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"بین المذاہب مکالمہ بنیادی طور پر خدا کی تعظیم کرتے ہوئے انسانوں سے محبت کرنا اور ان کی عزت کرنا ہے۔"[14]

4۔ عفوودرگزر اور برداشت:

انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں عفوودرگزر کی بہترین مثالیں ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کس طرح اپنے بھائیوں کو معاف کر دیتے ہیں۔[15]

انجیل متی میں حضرت مسیحؑ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: "۔۔۔۔جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا جو کوئی تجھ سے مانگے اُسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔"[16]

---

12 ابن ہشام، عبدالمالک بن ہشام، **السیرة النبویة**، (مطبع وسن طباعت نامعلوم)، ا: ۲۹۳۔۲۹۴

13 یونس شہزاد، او۔پی، بین المذاہب تعلقات، المشیر، مدیراعلی: دومینک مغل، (راولپنڈی: کرسچین سٹڈی سنٹر، ۱۹۹۸ء)، ش:3، ۴۰: ۱۴۹

14 چنن، ڈاکٹر جیمز، **پاکستان میں مسیحی مسلم مکالمہ**، (لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۱۲ء)، ۴۷

15 یوسف: ۹۲

16 انجیل متی، ۵: ۳۹تا۴۲

اسی طرح آپ کا یہ فرمان بھی نقل کیا گیا ہے کہ "۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دُعا کرو"[17]

یہی بات اللہ تعالی نے قرآن پاک میں اس انداز سے کی ہے کہ اس سے بہتر انداز کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ[18]

''اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔ اور یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔''

عفوودرگزر وہ بلند اخلاقی صفت ہے جس سے اللہ کے برگزیدہ بندے انبیا علیہم السلام متصف تھے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جیسے میں نبی ﷺ کی طرف دیکھ رہا ہوں اور آپ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کا تذکرہ کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کی قوم نے ان کو اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئے لیکن وہ اپنے چہرے سے اپنا خون صاف کرتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ:

''اللھم اغفرلقومی فانھم لایعلمون''[19]

''اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے کہ یہ جانتی نہیں ہے۔''

الغرض جذباتیت کے بجائے صبر و تحمل اور عفوودرگزر ہی وہ صفات ہیں جو مکالمے کو کامیاب بناتی ہیں۔

آپ ﷺ خود بھی حلیم تھے اور حلیم شخص کو پسند بھی کرتے تھے آپ ﷺ نے اشج عبد القیس سے فرمایا:

"ان فیک خصلتین یحبھما اللہ: الحلم والأناۃ"[20]

''تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور وہ حلم اور اطمینان (صبر، جلدی نہ کرنا) ہیں۔''

---

17 انجیل ۵: ۴۴

18 حم السجدۃ: ۳۴۔۳۵

19 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، (ریاض: مکتبہ دارالسلام، مارچ ۱۹۹۹ء)، ۵۸۶، حدیث: ۳۴۷۷

20 مسلم، مسلم بن الحجاج، **صحیح مسلم**، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، اپریل ۲۰۰۰ء)، ۳۰، حدیث: ۲۵

انجیل متی میں ہے کہ "مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔"[21]

اسی ذیل میں یہ بات بھی آئی ہے کہ غصے سے اجتناب کیا جائے اس لئے کہ غصہ عقل کو ڈھانپ دیتا ہے اور معاملے کو بنانے کے بجائے بگاڑ دیتا ہے۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"لیس الشدید بالصرعة إنماالشدید الذی یملک نفسه عندالغضب"[22]

"طاقتور وہ نہیں ہے جو کشتی میں طاقتور ہو بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے۔"

انجیل متی میں ہے: "لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہو گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا۔"[23]

ڈاکٹر جیمز چنن بھی مکالمے کے سلسلے میں بات کرتے ہوئے برداشت کے بارے میں کہتے ہیں کہ "مذاہب اور ان سے وابستہ لوگوں میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی ریت ڈالنے کی ضرورت ہے۔"[24]

اسی طرح اچھے ماحول میں بات کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ہنسی اور مسکراہٹ سے دوسروں کا استقبال کرے اور اجنبیت کا تأثر دینے کے بجائے اپنائیت کا تصور دے۔ اچھا اخلاق ایک مسلمان کا طرہ امتیاز ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

"بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"[25]

"مجھے بڑے بڑے اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔"

---

21 انجیل متی، ۵: ۵

22 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، (ریاض: مکتبہ دارالسلام، مارچ ۱۹۹۹ء)، ۱۰۶۶، حدیث: ۶۱۱۴

23 انجیل متی ۵: ۲۲

24 چنن، ڈاکٹر جیمز، **محبت کا راستہ**، (لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۱۳ء)، ۵۰

25 بیہقی، احمد الحسین بن علی الخراسانی، **السنن الکبری للبیقی**، (دارالفکر، **کتاب الشھادات**، باب بیان مکارم الاخلاق ومعالیھا)، ۱۰، حدیث: ۲۱۳۰۱

حضرت ابو بکرؓ کا یہ واقعہ اس کی بہترین مثال ہے کہ ایک آدمی نے انہیں گالیاں دیں حضرت ابو بکرؓ نے اسے کچھ بھی نہیں کہا۔ رسول پاک ﷺ بھی وہیں موجود تھے لیکن جب آخر کار حضرت ابو بکرؓ نے بھی اسے جواب دے دیا تو رسول پاک ﷺ وہاں سے روانہ ہوگئے حضرت ابو بکرؓ آپ کے پیچھے ہو لیے اور کہا یارسول اللہ وہ آدمی مجھے گالیاں دیتارہااور میں اسے معاف کر تارہااوراس سے اعراض کر تارہالیکن جب آخر کار میں نے اسے جواب دیناشروع کیاتو آپ چل دیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہاری طرف سے اُسے ایک فرشتہ جواب دے رہاتھالیکن جب تم نے اسے جواب دیناشروع کیاتو فرشتہ چلا گیااوراس کی جگہ شیطان آگیا۔ اللہ کی قسم اے ابو بکر اب میں شیطان کے ساتھ تو بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔[26]اب ظاہر ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کو گالیاں دے رہاتھاوہ مسلمان تو نہیں ہو سکتا، لیکن اسے اس کی گالیوں کا جواب دینے پر بھی رسول پاک ﷺ ناراض ہو کر چل دیئے۔

اسی طرح حضرت مسیحؑ کے بارے میں پطرس کے خط میں ہے کہ "نہ وہ گالیاں کھا کر گالی دیتا تھااور نہ دکھ پاکر کسی کو دھمکاتا تھابلکہ اپنے آپ کو سچے انصاف کرنے والے کے سپرد کرتا تھا۔"[27]

ڈاکٹر جیمز چنن نے بھی بدی کا مقابلہ بدی سے نہ کرنے کی ترغیب دی ہے اور کہا ہے کہ الزامات لگانے والوں کے لیے بھی دعا کرنی چاہیے۔[28]

5۔ علم کی روشنی میں بات کی جائے:

مکالمہ کرنے والوں کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ علم کے بغیر بات کریں اس لئے کہ علم کے بغیر بات کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی چیز کو دیکھے بغیر اس کے بارے میں رائے دینا یا اندھیرے میں تیر چلانا۔ اس لئے مکالمہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ جو بات بھی کرے اسے اس کی دلیل معلوم ہو اوراسے یہ اطمینان ہو کہ جو بات میں کر رہاہوں وہ اسی طرح ہے۔

---

26 طبری، محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل ای القرآن**،(بیروت: دارالفکر، ۱۹۸۴ء)، ۱۲: ۱۲۰

27 پطرس کا پہلا عام خط، ۲: ۲۳

28 چنن، ڈاکٹر جیمز، **محبت کا راستہ**،(لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۱۳ء)، ۱۸۷

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا[29]

"اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہو گی۔"

اسی بات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر ہم مسلم مسیحی مکالمے کے دوران میں مسیحیت کے بارے میں کوئی بات کرتے ہیں تو وہ بھی علم کی بنیاد پر ہونی چاہیے نہ کہ ہم اپنے جذبات کی بنیاد پر کوئی بات کریں اسی طرح ہمیں سنی سنائی باتوں کو بھی اپنے مکالمے کی بنیاد بنا کر بات نہیں کرنی چاہیے۔ اسی طرح مسیحیوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اسلام کے بارے میں سنی سنائی باتوں کی روشنی میں کوئی موقف قائم نہ کریں اور نہ ہی اپنے جذبات کو اسلام کی ترجمانی کرنے میں دخل دیں۔ مطلب یہ ہے کہ طرفین میں سے ہر ایک کو وہی بات کرنی چاہیئے جس کا اسے پتہ ہو اور اس نے اس کے بارے میں خوب مطالعہ کر رکھا ہو۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

"كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع"[30]

"یعنی کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے۔"

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سامنے رہے:

هَاأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ[31]

"دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا بھی۔ مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

---

[29] بنی اسرائیل: ۳۶

[30] مسلم، مسلم بن الحجاج، **صحیح مسلم**، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، اپریل ۲۰۰۰ء)، ۸: حدیث: ۷

[31] آل عمران: ۶۶

اس لئے مکالمہ جس موضوع پر بھی ہو اس کے مختلف پہلوؤں پر مکالمہ میں حصہ لینے والے طرفین کی نظر ہونی چاہیئے۔ اگر مسلم مسیحی مکالمہ کسی ایسے موضوع پر ہو جس کا براہ راست اسلام یا مسیحیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ تو اس موضوع کے حوالے سے بھی طرفین کو معلومات ہونی چاہیئں تا کہ وہ علم کی بنیاد پر کسی فیصلے تک پہنچ سکیں۔ حضرت مسیحؑ کے فرمان کے مطابق اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، جس طرح انجیل لوقا میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "کیا اندھے کو اندھا راہ دکھا سکتا ہے؟ کیا دونوں گڑھے میں نہ گریں گے؟" [32]

6۔ بات واضح ہو:

مکالمے میں حصہ لینے والوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی گفتگو بالکل واضح ہو۔ ہر آدمی اسے سمجھ سکے۔[33] اس میں نہ ابہام ہو نہ زبان ایسی ہو کہ جسے سمجھنا مشکل ہو، نہ ادائیگی اور لہجہ ایسا ہو کہ سمجھنے میں رکاوٹ کا باعث بنے۔ اگر مکالمہ باہم گفتگو کی صورت میں ہے تب بھی اس کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اگر مکالمہ طرفین کے لیکچر ز کی صورت میں ہے تب بھی بات واضح ہونی چاہیے تا کہ آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ اور جس طرح یہ مناسب نہیں ہے کہ ضرورت سے اونچی آواز میں بات کی جائے جو ناگوار گزرتی ہے اور دوسرے فریق کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شائد زبردستی اپنی بات منوانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسی طرح اتنی مدہم آواز میں بات کرنا بھی مناسب نہیں ہے کہ اسے سننے کے لیے لوگوں کو مشقت اٹھانی پڑے۔ ظاہر ہے کہ جب بات مکمل طور پر واضح ہو گی۔ تب ہی اسے سمجھا بھی جاسکے گا۔ اس کا جواب بھی دیا جاسکے گا۔ اور اس کا اثر بھی قبول کیا جاسکے گا رسول اکرم ﷺ کی گفتگو نہایت واضح ہوتی تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلاما فصلا یفهمه کل من سمعه''[34]

"رسول پاک ﷺ کی گفتگو الگ الگ ہوتی تھی (یعنی ہر جملہ الگ الگ اور واضح ہوتا تھا)۔ ہر شخص جو اسے سنتا تھا، سمجھ لیتا تھا۔"

---

[32] انجیل لوقا، ۶: ۴۰

[33] الشثری، سعد بن ناصر، **ادب الحوار**، (ریاض: دار کنوز اشبیلیا للنشر والتوزیع، ۲۰۰۶ء)، ۲۷

[34] ابو داود، سلیمان بن الاشعث ابن اسحاق الازدی، **سنن ابی داود**، (ریاض: مکتبہ دار السلام، اپریل ۱۹۹۹ء)، ۶۸۴، حدیث: ۵۸۳۹

ان باتوں کے ساتھ ساتھ اس چیز کا بھی خیال رکھا جائے کہ آپ کی گفتگو اتنی مختصر بھی نہ ہو کہ مخاطب آپ کا صحیح مطلب سمجھنے میں ہی غلطی کر جائے اور نہ ہی اتنی طویل ہو کہ وہ اس بات کا انتظار ہی کرتا رہ جائے کہ کب اس کی باری آئے گی اور وہ اپنی بات کر پائے گا۔ یعنی اختصار مخل اور اطناب ممل دونوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

7۔اچھے الفاظ کا چناؤ کیا جائے:

ایک ہی بات ایسے الفاظ میں بھی کہی جا سکتی ہے جن سے سننے والا اچھا تأثر نہ لے اور ایسے الفاظ میں بھی کہی جا سکتی ہے جو دل میں گھر کر لیں۔ بظاہر کھانا کھانے اور پیٹ بھرنے کا ایک ہی مطلب ہے لیکن دونوں کا مخاطب پر جو اثر پڑے گا وہ مختلف ہو گا۔

ہر انسان اس کا تجربہ رکھتا ہے کہ کسی نے کبھی اس سے بات کرتے ہوئے اس کے لئے ایسے اچھے الفاظ استعمال کئے ہوتے ہیں کہ جن کو وہ آج بھی یاد کرتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے کانوں میں رس گھل رہا ہے اور اس کے دل میں ان الفاظ کے کہنے والے کے لئے محبت اور عظمت کے جذبے ابھر رہے ہیں۔

جہاں تک مکالمے کا تعلق ہے وہاں تو الفاظ کے چناؤ میں اور بھی زیادہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیئے اس لئے کہ ہر لفظ کا ایک مطلب ہوتا ہے اور ہر لفظ کا ایک پس منظر ہوتا ہے اور اہل زبان اس لفظ کو اس تمام معاشرتی تاریخ کے تناظر میں سمجھتے ہیں جو اس لفظ سے وابستہ ہوتی ہے۔ ایک معنیٰ کو ادا کرنے کے لئے کئی لفظ ہوتے ہیں اور وہ باہم مترادف کہلاتے ہیں لیکن مکالمہ کرنے والے کی کامیابی یہ ہے کہ وہ ان مترادفات میں سے موقع و محل، مخاطب اور موضوع کے لحاظ سے وہ لفظ چنتا ہے جو ان میں سب سے زیادہ مناسب حال ہوتا ہے۔

الفاظ کا صحیح چناؤ دراصل زبان کے صحیح استعمال کا مظہر ہے۔ عہد نامہ جدید میں یعقوب کے خط میں ہے "کامل شخص وہ ہے جو باتوں میں خطا نہ کرے۔"[35]

---

[35] یعقوب،۳: ۲

انجیل میں حضرت مسیحؑ کی جو تمثیلیں بیان ہوئی ہیں ان میں الفاظ کا بہترین چناؤ نظر آتا ہے مثلاً آپ کا یہ قول کہ "تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا۔"[36]

اسی طرح ان کا یہ قول کتنا خوبصورت ہے کہ "ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے کیوں کہ جھاڑیوں سے انجیر نہیں توڑتے اور نہ جھڑبیری سے انگور۔"[37]

8۔ فریق ثانی کے صواب پر ہونے کا امکان:

مکالمہ کرنے والے طرفین کو اس چیز کو تسلیم کرنا چاہیے کہ ضروری نہیں کہ وہی حق پر ہوں یا انہی کا نقطۂ نظر صحیح ہو۔ بلکہ فریقین میں سے ہر ایک کے لئے فریق ثانی کا نقطہ نظر بھی صحیح ہو سکتا ہے ہمیں اس کا اشارہ قرآن پاک سے بھی ملتا ہے۔ ایک قرآنی مکالمے میں اللہ کی واحدنیت پر دلائل دینے کے بعد آخر میں یہ آیت آتی ہے۔

"قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ، وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ"[38]

"پوچھو کہ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہو کہ اللہ اور ہم یا تم (یا تو) سیدھے رستے پر ہیں یا صریح گمراہی میں۔"

تفسیر طبری میں اس آیت کی تفسیر میں ہے:

"قل لهم إنا لعلى هدى أو فى ضلال، أو إنكم على ضلال أو هدى"[39]

ان سے کہہ دو کہ ہم یا ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر یا تم گمراہی پر ہو یا ہدایت پر، بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو بات حق ہو گی اس کا اتباع کیا جائے گا چاہے وہ فریق ثانی کی طرف سے ہو۔

---

36 انجیل لوقا، ۶:۴۱

37 انجیل لوقا، ۶: ۴۵

38 سبا، ۲۴

39 طبری، محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل آی القرآن**، (بیروت: دارالفکر، ۱۹۸۴ء)، ۱۲: ۹۳

اللہ کا یہ ارشاد سنیئے:

''قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ''[40]

''کہہ دو کہ اگر اللہ کے اولاد ہو تو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔''

9۔ مکالمے کا اختتام خوش اسلوبی کے ساتھ ہو:

ضروری نہیں کہ فریق ثانی آپ کی دعوت پر لبیک کہے، یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ دونوں کسی متفقہ حل پر پہنچ جائیں۔ لیکن اس کے باوجود مکالمے کا اختتام خوش اسلوبی کے ساتھ ہونا چاہیئے اور اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ بھی مکالمے کی کامیابی ہے۔ انسان جلد نتائج حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن نتائج تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان کا کام تو صرف کوشش کرنا ہے۔

مکالمے کا نتیجہ کچھ بھی نکلے، بہر حال اس کے اختتام پر بھی وہی خوشگوار اور پر سکون ماحول ہونا چاہیئے جو مکالمے کی ابتداء میں تھا۔ تمام دلائل کے باوجود اگر کوئی مطمئن نہیں ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ آپ کی دعوت یا آپ کے پیش کردہ حل سے انکار کردے اس پر آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیئے بلکہ جب مکالمہ بند گلی میں پہنچتا ہوا دکھائی دے تو اس وقت اسے ختم کرنا ہی بہتر ہوتا ہے لیکن اسے ختم کرتے ہوئے چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے پہلی بات تو وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ خوش اسلوبی کے ساتھ بغیر کسی ناراضگی کے مکالمے کا اختتام ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ آئندہ کے لئے پھر ملنے کا اشتیاق ہو اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر اسی وقت یہ ممکن ہو سکے کہ آئندہ کے لئے مکالمے کی تاریخ طے کرلی جائے تو اسے طے کرلینا چاہیئے۔

مکالمے کے دوران میں ہمیں بیک وقت تمام مناہج مکالمہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم جب ہموار سڑک دیکھتے ہیں تو گاڑی کی رفتار بڑھا دیتے ہیں اور جب ٹوٹا پھوٹا راستہ ہو تو گاڑی کی رفتار بہت آہستہ کرلیتے ہیں اور نشیب فراز کا خیال رکھتے ہوئے چلتے ہیں۔ اگر چڑھائی آجائے تو ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیتے ہیں اور اگر اترائی ہو تو بعض اوقات ایکسیلیٹر سے پاؤں بالکل اٹھالیتے ہیں اسی طرح مکالمے میں بھی صورت حال کو دیکھتے ہوئے کبھی ہم منہج عقلی سے کام لیتے ہیں تو کبھی منہج عاطفی کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی منہج حسی یا تجربی استعمال کرتے ہیں۔ انہی مختلف مناہج کے استعمال کا فیصلہ ہی مکالمے کو کامیابی یا ناکامی کی طرف لے جاتا ہے۔

---

[40] الزخرف، ۸۱

تجاویز و سفارشات:

۱۔ مکالمہ ایک فن ہے اس کے لیے تربیت اور مشق کی ضرورت ہے اس لیے ایک ادارہ ایسا ہونا چاہیے جہاں لوگوں کو مکالمے کے بارے میں پڑھایا جائے اور ان کی عملی تربیت کی جائے تا کہ وہ اس میدان میں مثبت اور بہتر کردار ادا کر سکیں۔

۲۔ مکالمے میں اپنی جیت کے بجائے دوسروں کا دل جیتنا اصل کامیابی ہے اور اسی صورت میں دعوت حق کے لیے دلوں کے بند دروازے کھولے جاسکتے ہیں۔

۳۔ جس مکالمے کے نتیجے میں جھگڑا اور ناراضگی پیدا ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے حتی الوسع اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ مکالمے کا اختتام خوشگوار ہو۔

۴۔ جب مسلم مسیحی مکالمے میں احترام، شائستگی اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنا ضروری ہے تو بدرجہ اولیٰ اس بات کی ضرورت ہے کہ مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان علماء آپس میں مکالمہ کرتے ہوئے ان آداب کا خیال رکھیں۔